Vol. 5 No.4 2021
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

قلق میرٹھی بطور مترجم

Azhar Ahmad

Ph.D. Scholar, Department of Urdu

Govt. College University, Faisalabad

Dr. Muhammad Asif Awan

Professor, Department of Urdu

Govt. College University, Faisalabad

Abstract:

Translation has emerged as one of the most important and fundamental needs of modern era. Translation is the art which not only helps us to get an opportunity of benefiting from the academic and literary treasure of other countries but opens an avenue of unlimited growth for one language as well. Humanity has utilized the art of translation in order to meet its religious, social and financial needs in each and every era. The scope of Urdu language is enriched with different translations which certainly begins with the translations of Holy Quran. After that the process kept on enriching other fields of knowledge and literature. During the course of translation master pieces of prose and poetry of other languages were transformed into Urdu. Poetical Urdu translations are indebted and obliged by the great work of translators like Qalaq Merathi who is regarded as pioneer of poetical Urdu translations as for as classical poets are concerned. His poetical translation of Colley Cibber's poem "The Blind Boy" is regarded as one of his master pieces. This tradition of poetical Urdu translations from classical and modern western poetry collection is still flourishing and progressing with full pace and in desired direction. This tradition / process is helping the quantity of Urdu poetry and more importantly this art is heading towards the desired destination of maturity and growth.

Keywords: Translation, Growth, Literature, Tradition, Process

قلق میرٹھی اردو کلاسیکی شعرا میں شامل اہم شاعر ہیں۔ ان کا تعلق میرٹھ کی اس سرزمین سے ہے جو ادبی لحاظ سے ہمیشہ سرسبز و شاداب رہی ہے۔ میرٹھ جو شعر و ادب کا اہم مرکز گردانا جاتا ہے، قلق میرٹھی کی پیدائش اسی ادبی مرکز میں ۱۸۳۳ء میں ایک نہایت معزز خاندان میں ہوئی۔ آپ کا نام محمد غلام مولا رکھا گیا لیکن آپ مولا بخش کی عرفیت سے مقبول ہوئے۔ آپ کا تخلص قلق تھا جبکہ میرٹھ کی نسبت سے میرٹھی کہلائے۔

ان کے خاندان کے حوالے سے امداد صابری اپنی کتاب "دلی کی یادگار ہستیاں "میں لکھتے ہیں:

Vol. 5 No.4 2021
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

"وطن ہمدان تھا جو ایران کا دارالخلافہ تھا۔ آپ (قلق) کے بزرگ نادر شاہ بادشاہ کے ہمراہ دہلی آئے اور کلاں محل کے قریب ایک بڑی حویلی میں مقیم ہو گئے۔"(۱)

قلق کی ابتدائی تعلیم و تربیت روایتی طور پر محلے کے مکتب سے ہوئی۔ آپ نے کچھ ہی عرصہ میں عربی، فارسی کی اہم اور بنیادی کتب کا مطالعہ مکمل کر لیا۔ آپ کی ذہانت کو دیکھتے ہوئے دہلی میں بھیجنے کا فیصلہ کیا گیا اور محض بارہ سال کی عمر میں آپ دہلی کی طرف روانہ ہو گئے۔ آپ نے دہلی کالج میں تعلیم حاصل کی جہاں امام بخش صہبائی کے شاگرد ہوئے جو آپ کے فارسی کے استاد تھے۔ دہلی کالج میں رہتے ہوئے ان کا رجحان انگریزی زبان و ادب کی طرف بڑھا۔ انہوں نے انگریزی زبان کا بھی مطالعہ کیا بعد ازاں ان کا یہ رجحان ہی انگریزی نظموں کے مطالعہ اور ان کے اردو تراجم کی وجہ بنا۔

قلق میرٹھی نے تعلیم مکمل کرنے کے بعد دہلی میں سکونت اختیار کر لی اور دہلی کے کوچہ میلان میں رہنے لگے یہاں ان کی شناسائی اردو کے کلاسیکی شاعر مومن خان مومن سے ہوئی جن کا مکان ان کے مکان کے قریب ہی واقع تھا۔ شعر و ادب سے دلچسپی ان کی قربت کا باعث بنی اور قلق نے مومن کی شاگردی اختیار کر لی جس کے بارے میں محمد حسین آزاد اپنی شہرہ آفاق کتاب "آب حیات" میں لکھتے ہیں:

"مولا بخش قلق، مولوی امام بخش صہبائی کے شاگرد رشید دیوان نظیری پڑھتے تھے۔ ایک دن خاں صاحب کے پاس آئے اور ایک شعر کے معنی پوچھے، انہوں نے ایسے نازک معنی اور نادر مطلب بیان فرمائے کہ قلق معتقد ہو گئے۔"(۲)

چونکہ دونوں کے مزاج میں کافی یکسانیت تھی لہذا بہت جلد مومن اور قلق کے کلام کو الگ الگ پہچاننا دشوار ہو گیا۔ اس حوالے سے "تقریظ کلیاتِ قلق" میں بھی کہا گیا ہے کہ ان دونوں کے اشعار میں تمیز کرنا آسان بات نہ تھی یہ بات دونوں شاعروں کے شعری مرتبے کو بڑھاتی ہے۔

قلق نے دہلی میں بہت نام کمایا لیکن ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد کے حالات کو دیکھتے ہوئے انہوں نے دہلی کی سرزمین کو خیر باد کہہ دیا اور اپنے وطن میرٹھ لوٹ آئے۔ میرٹھ میں رہتے ہوئے انہوں نے اپنے استاد محترم مومن خان مومن کی کلیات مرتب کی اور ۱۸۸۲ء میں شائع بھی کروائی۔

قلق میرٹھی کی عملی زندگی کی بات کی جائے تو اس حوالے سے کلب علی خان فائق "مقدمہ کلیات قلق" میں لکھتے ہیں:

"قلق نے ذہانت اور مشق سے دلی کی علمی اور ادبی مجلسوں میں اچھا مقام پیدا کر لیا۔ وہ عربی کی تعلیم کی تکمیل اور فن طب پر عبور حاصل کرنے لئے دہلی ہی میں رہ پڑے۔ قیاساً کہا جا سکتا ہے کہ انہیں کسی سرکاری مدرسے میں مدرس کی جگہ مل گئی ہو گی، جس طرح کہ بعد میں ملازمت سرکاری پر ہی ان کی ضروریات کا انحصار رہا۔"(۳)

قلق میرٹھی پہلے پہل راجہ گلاب سنگھ والی کچیسر کے دربار سے وابستہ رہے بعد ازاں میرٹھ میں سر شتہ تعلیم میں ملازمت اختیار کر لی۔ وہ انسپکٹر آف اسکولز کے دفتر میں ترجمہ کا کام کرتے رہے۔ یہاں ان کے ہمراہ اسماعیل میرٹھی بھی تھے۔ انہوں نے فارسی کے مدرس کی بھی خدمات سر انجام دیں۔ وہ طب میں بھی مہارت رکھتے تھے اور اس میں ان کا شہرہ دور دور تک تھا۔

قلق نے اپنی زندگی کے آخری برس بہت پریشانی میں گزارے ایک طرف انہیں تنگیٔ روزگار کا مسئلہ درپیش تھا تو دوسری جانب جان لیوا بیماری تھی۔ انہوں نے ملازمت بھی ترک کر دی اور گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ آخری عمر میں محض طبابت پر اکتفا کیا۔ وہ محض سینتالیس سال کی عمر میں ۱۵ جولائی ۱۸۸۰ء کو میرٹھ میں انتقال کر گئے۔

قلق میرٹھی ایک نہایت سادہ اور سچے مسلمان تھے مگر اس کے باوجود شراب نوشی کے عادی تھے۔ وہ نہایت زندہ دل اور خوش طبع انسان تھے۔ ان کی شخصیت کے حوالے سے جلال انجم لکھتے ہیں:

Vol. 5 No.4 2021
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

"مجموعی طور پر قلق ایک سیدھے سادے انسان تھے وضع داری انھیں ورثہ میں ملی تھی خوش باش اور خوش مزاج بھی تھے جس میں خودداری اور انکساری کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔"(۴)

قلق میرٹھی کی ادبی و شعری خدمات کا ذکر کیا جائے تو ان کے کلام میں غزلیات، مثلث، رباعیات، مخمسات، مسدسات، تفرقات، واسوخت، مرثیہ، قصائد، قطعات شامل ہیں جنھیں ان کی وفات کے بعد "کلیاتِ قلق" میں مرتب کر کے شائع کیا گیا۔
قلق میرٹھی جدید اردو نظم کی تاریخ میں نمایاں مقام کے حامل ٹھہرے۔ان کا کلام تغزل، نازک خیالی، سادہ بیانی، معنی آفرینی، معاملہ بندی اور تصوفانہ اوصاف کا حامل ہے۔ قلق کو انگریزی زبان سے شناسائی تھی، خود بھی بہترین شاعر تھے اس لئے انہوں نے مغربی انگریزی نظموں کے اردو میں منظوم تراجم کئے جو "جواہر منظوم" کے نام سے شائع ہوئے۔ان کے حوالے سے حسن الدین احمد لکھتے ہیں:

"قلق میرٹھی نے بعض حکامان وقت کی فرمائش پر منتخب انگریزی نظموں کا ترجمہ "جواہر منظوم" کے نام سے کیا جس کی طباعت ۱۸۶۴ء میں گورنمنٹ پریس الہ آباد میں ہوئی جواہر منظوم کو اردو منظوم تراجم کا پہلا مجموعہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ان منظوم تراجم پر مرزا اسد اللہ خاں غالب نے نظر ثانی بھی کی تھی۔"(۵)

"جواہر منظوم" پندرہ نظموں پر مشتمل ہے۔جس کے عنوانات کچھ یوں ہیں:

۱۔اوصاف اخلاق شتر	۲۔بیان کرمک
۳۔حکایت پسر ناخدا	۴۔بیان جنت
۵۔میرا باپ کشتی بان ہے۔	۶۔بیان ہندوستان
۷۔داستان اندھے لڑکے کی	۸۔داستان شاہ کنٹوپ
۹۔قصہ ولیم ٹیل ساکن سوئٹزر لینڈ	۱۰۔خواہش طفل
۱۱۔عرض موش محبوس	۱۲۔لڑکپن کی پہلی مصیبت
۱۳۔دربان تمیز حق وباطل	۱۴۔ذکر ابابیل بدیسی کا
۱۵۔سادگی قطعیت کی خواہش	

ان تراجم میں سے کچھ نظمیں مقالہ میں شامل کی گئی ہیں جنہیں ان کے اصل متن سے موازنہ کر کے پیش کیا جائے گا تاکہ ان کے شعری مقام ومرتبہ کے ساتھ ساتھ ان کے فن ترجمہ نگاری پر عبور کا اندازہ ہو سکے۔اگرچہ ان کے حوالے سے "خطبات گارساں دتاسی" میں کہا گیا ہے:

"انگریزی کی بعض نظمیں ایسی ہیں جن کا اردو میں خاطر خواہ ترجمہ کرنا دشوار ہے لیکن مترجم نے نہایت سلیقے کے ساتھ اس کام کو کیا ہے۔"(۶)

قلق میرٹھی کے ادبی سرمایہ میں "دیوان قلق"، "کلیات اردو قلق'،'گلستان نازک خیالی' اور 'جواہر منظوم" شامل ہیں۔
کولے سبر(۱۷۵۷ء-۱۶۷۱ء) کا تعلق برطانیہ سے تھا۔وہ ایک مشہور ڈرامانگار، تھیٹر مینجر، اداکار اور شاعر تھا۔وہ ۶نومبر ۱۶۷۱ء کو لندن میں پیدا ہوا۔اس کے والد کا نام (Caius Gobriel Cibber) ہے۔جو پیشے کے اعتبار سے ایک مجسمہ ساز تھے انکا تعلق ڈنمارک سے تھا۔کولے سبر کی والدہ کا نام (Janenee Colleg) تھا۔کولے سبر نے ابتدائی تعلیم کا آغاز ۱۶۸۲ء میں The Kings School Granthom سے کیا۔وہ سولہ برس کی عمر تک اس ادارے میں زیر تعلیم رہے۔۱۶۶۸ء میں اس نے اپنے والد کی طرح Lord Devonshine کی انقلابی تحریک میں شمولیت اختیار کر لی لیکن اس انقلاب کے بعد اس کا رجحان سٹیج کی طرف ہو گیا جس کی وجہ سے ۱۶۹۰ء میں Drury Lane Theatre میں بطور اداکار شامل ہو گئے۔

Vol. 5 No.4 2021
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

۶ مئی ۱۶۹۳ء میں سبر کی شادی کیتھرین شور سے ہوئی اس شادی سے سبر اور کیتھرین کی بارہ اولادیں ہوئیں جن میں سے ۶ بچے شیر خوار گی میں ہی انتقال کر گئے۔

سبر بہت جلد ایک ایک مزاحیہ اداکار کے طور پر جانا جانے لگا۔ ۱۷۱۰ء میں وہ Drury Lane کا مینجر بن گیا۔ زندگی کے آخری بیس سالوں میں وہ معاشرتی طور پر بہت نمایاں رہا۔ ۱۷۴۵ء میں ۷۳ برس کی عمر میں وہ آخری بار سٹیج پر بطور اداکار جلوہ گر ہوا اور ایک دن اچانک ۱۷۵۷ء میں لندن میں انتقال کر گیا۔ کولے سبر کی ادبی زندگی کا تجزیہ کیا جائے تو اس کے ڈراما "Loves Last Shift" اور "The Fool In Fashion" کو برطانوی ڈرامہ نگاری کے فن میں بطور Sentimental Comedy کے نمایاں مقام حاصل ہوا۔ اس کے ساتھ ساتھ اس نے اپنی خودنوشت بعنوان "An Appology For The Life of Mr. Colley Cibber" لکھی جو اس کی زندگی کے شب روز کا بہترین عکس پیش کرتی ہے۔ اس خودنوشت میں اس کی ذاتی زندگی کے برعکس اس کی خارجی و عملی زندگی کا تفصیلی بیان ملتا ہے۔ سبر کی یہ خودنوشت اس کو بہت سے حوالوں سے نمایاں کرنے میں مددگار رہی۔

بطور ڈرامہ نگار کولے سبر نے بہت سے ڈرامے لکھے جن میں مندرجہ ذیل شامل ہیں:

1. Loves Last Shift 1696
2. Richard iii
3. The Careless Husband 1704
4. The Lady's Stake 1707
5. The Double Gallant 1707
6. The Comical Lover's 1707
7. The River Fools 1709
8. The Provoked Husband 1728
9. The Non-Juror 1717
10. The Refusal 1721

کولے سبر کو بطور شاعر زیادہ سراہا نہیں گیا لیکن سبر نے اس بات کو پوری کشادہ دلی کے ساتھ قبول کیا۔

کولے سبر کی نظم "The Blind Boy" پانچ بندوں پر مشتمل ایک مختصر پابند نظم ہے۔ اس نظم میں شاعر نے بصارت سے محروم ایک بچے کے جذبات کی عکاسی کی ہے۔ جو دنیا اور اس کی رنگینیوں کو دیکھنے سے قاصر ہے، جو دن اور رات میں فرق نہیں جانتا۔ وہ دیکھنے کی نعمت سے محرومی کے باعث روشنی اور اس سے اٹھائے جانے والے لطف سے ناواقف ہے۔ وہ سورج کے چمکنے کا تذکرہ کرتا ہے جس کی محض تمازت کو وہ محسوس کر سکتا ہے۔ بصارت سے محروم بچے کے لئے سونا اور جاگنا ہی دن اور رات ہیں کہ اگر وہ مستقل سوتا رہے تو رات اور اگر اس کے برعکس ہو تو دن ہے۔ وہ ان غموں کی بات کرتا ہے جو دنیا والوں کی آہ و پریشانی سے محسوس کرتا ہے ساتھ ہی وہ اپنے صبر و برداشت کا تذکرہ کرتے ہوئے دنیا سے یہ کہتا ہے کہ وہ اپنے حال میں خوش ہے اگرچہ وہ ایک بہت بڑی نعمت سے محروم ہے۔

کولے سبر (Colley Cibber) کی اس خوبصورت نظم کے تراجم کی بات کی جائے تو اس کو بہت سے اردو مترجمین نے اردو کے قالب میں ڈھالا ہے ان میں سب سے پہلا نام منشی غلام مولا (قلق میرٹھی) کا ہے انہوں نے اس نظم کا ترجمہ "داستان اندھے لڑکے کی" کے عنوان سے کیا ہے۔ اس کے علاوہ سید

احمد کبیر نے بعنوان "اندھا لڑکا" ، سید راحت حسین نے "طفل نابینا" ، انیس مصطفے میناز بیری نے "نابینا لڑکا" اور ناظم انصاری نے "اندھا لڑکا" سے کیا ہے۔ یہ تمام تراجم، مترجمین کی محنت اور دلچسپی کا منہ بولتا ثبوت ہیں اور اپنی جداگانہ اہمیت کے حامل ہیں۔ لیکن مقالہ میں قلق میر ٹھی کے ترجمہ کو شامل کیا گیا ہے۔

قلق میر ٹھی اردو کے ان ابتدائی مترجمین میں شمار ہوتے ہیں جنہوں نے انگریزی شعر و ادب کا مطالعہ کرتے ہوئے اسے اردو زبان میں ڈھالنے کی عملی کوشش کی جس میں وہ کامیاب بھی نظر آتے ہیں جیسا کہ پہلے قلق میر ٹھی کے احوال و آثار کے بیان میں یہ بتایا جا چکا ہے کہ انہوں نے حاکمانِ وقت کی فرمائش پر ان تراجم کا آغاز کیا تھا۔ جسے بعد ازاں انہوں نے "جواہر منظوم" کے نام سے یکجا کر کے شائع کیا۔ "جواہرِ منظوم" کے حوالے سے حسن الدین احمد لکھتے ہیں:

"جواہر منظوم" کو جس سے انگریزی سے کیے گئے منظوم تراجم کی ابتداء ہوتی ہے ایک مثالی اور ابتدائی Pioneering پراجیکٹ قرار دیا جا سکتا ہے۔ جو اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ کس طرح انگریزی حکام نے ایک اردو شاعر اور محکمہ تعلیمات کے وظیفہ یاب استاد منشی غلام مولی قلق میر ٹھی (وفات: ۱۸۸۰ء) کا انتخاب کر کے ان کو درسی کتابوں میں شامل چھوٹی چھوٹی انگریزی نظموں کے منظوم ترجمے کے لیے Commission مامور کیا جب یہ کام مکمل ہوا تو ان منظوم ترجموں کو اصلاح کے واسطے اردو کے نامی گرامی شاعر مرزا اسد اللہ خاں غالبؔ کے پاس بھیجا گیا۔ اس کے بعد ڈائریکٹر تعلیمات کے دفتر میں ملاحظہ اور منظوری کے لیے پیش ہوا۔"(۷)

اس کو انگریزی شاعری کے منظوم اردو تراجم کا پہلا مجموعہ قرار دیا گیا ہے۔ "جواہرِ منظوم" ہی وہ مجموعہ ہے جس میں Colley Cibber کی نظم " The Blind Boy" کا اردو ترجمہ "داستان اندھے لڑکے کی" کے نام سے کیا گیا ہے۔ اس سے پہلے کہ اس نظم کا تجزیہ پیش کیا جائے۔ پہلے اس نظم کا اصل متن اور پھر ترجمہ کی گئی نظم قارئین کے سامنے رکھی جائے گی تا کہ اصل اور ترجمہ کا صحیح طور پر تجزیہ کیا جا سکے اور پڑھنے والوں کو بھی سہولت رہے۔

The Blind Boy

O say, what is that thing called light
Which I must ne'er enjoy;
What are the blessings of the sight,
O tell your poor blind boy
You talk of wondrous things you see
You say the sun shines bright;
I feel him worm, but how can he
Or make it day or night?
My Day or night myself I make
Whene'r I sleep or play;
And could I ever keep awake,
With me'twere always day.

With many signs, I often hear

You mourn my hapless woe ;

But sure with patience I can bear

A loss I ne’ver can know

Then let not what I cannot have

My cheer of mind destroy;

While thus I sing, I am a king

Although a poor blind boy(٨).

اب اس نظم کا ترجمہ کچھ یوں ہے:

"داستان اندھے لڑکے کی"

ایک اندھا غریب تھا لڑکا

اپنے لوگوں سے ایک دن بولا

نہیں معلوم نور ہے کیا شے

کیا ہے بینش جو رحمتِ حق ہے

دیکھتے ہو عجائبات جہاں

کہتے ہو آفتاب ہے درخشاں

گرم پاتا ہوں اس کو میں لیکن

نہیں معلوم رات ہے یا دن

میں بنالوں ہوں اپنے روز و شب

جب میں سوؤں ہوں یا کہ کھیلوں جب

گر مرا جاگنا رہے قائم

دن ہی دن ہے میرے لیے دائم

اکثر اوقات حال پر اپنے

تم کو سنتا ہوں آہِ غم بھرتے

نہیں معلوم مجھ کو جو نقصاں

نہیں صبر و تحمل اس پر گراں

مجھ کو جو غم نہیں ہے تم وہ نہ دو

میری آسودگی نہ دور کرو

وقت گزرے ہے بے غمی سے مرا

رات دن ہوں یہی ترانہ سرا

گرچہ اندھا غریب لڑکا ہوں

شاہ ہوں اپنے دل کا راجہ ہوں(۹)

نظم کو تجزیاتی طور پر پرکھا جائے تو سب سے پہلے اس کے عنوان کی بات کرتے ہیں۔ قلق میر ٹھی نے "The Blind Boy" "کا ترجمہ-"داستان اندھے لڑکے کی" کے عنوان سے کیا ہے۔ قلق نے ترجمہ کرتے ہوئے داستان کا لفظ کا اضافہ کیا ہے جس سے عنوان کا سپاٹ پن دور ہو گیا ہے اور قاری کی توجہ اپنی جانب کھینچتا ہے۔ مترجم کا یہ انداز اس کی فنی پختگی کا ثبوت ہے۔ جلال انجم اس حوالے سے لکھتے ہیں:

"ترجمہ میں جہاں مترجم کی صلاحیتیں بروئے کار آتی ہیں وہیں اس کے مزاج کا اثر بھی پڑتا ہے مثلاً کوئی مترجم رومانی اور جمالیاتی نگاہ رکھتا ہو تو اس کے ترجموں میں از خود رومانیت اپنی جگہ بنا لے گی۔"(۱۰)

یوں قلق نے ترجمہ کے آغاز ہی میں عنوان کو جمالیاتی دلچسپی کا مظہر بنا دیا ہے۔
کولے سبر(Colley Cibber) کی نظم "The Blind Boy" پانچ بندوں پر مشتمل ہے جس کے ہر بند میں چار چار مصرعے ہیں۔ نظم کے ہر بند میں پہلا مصرعہ تیسرے مصرعے جبکہ دوسرا مصرعہ چوتھے مصرعہ سے ہم قافیہ ہے۔ جس سے نظم میں فطری توازن اور ترنم کا احساس ہوتا ہے۔ اس حوالے سے نظم "دی بلائنڈ بوائے" کا پہلا بند یہ ہے:

O say, what is that thing called light

Which I must ne'er enjoy;

What are the blessings of the sight,

O tell your poor blind boy "

(۱۱)

اس بند میں light اور sight کا جبکہ boy, enjoy کا ہم قافیہ ہے۔ مزید bear, hear, night, bright, he, see, کے قافیے استعمال کئے گئے ہیں۔ قلق میر ٹھی نے اس نظم کا ترجمہ مثنوی کی طرز پر کیا ہے جس میں اشعار کی تعداد گیارہ ہے۔ ہر شعر کا الگ الگ قافیہ ہے۔ قلق نے کچھ یوں ترجمہ کیا ہے:

"ایک اندھا غریب تھا لڑکا

اپنے لوگوں سے ایک دن بولا

نہیں معلوم نور ہے کیا شے

کیا ہے بینش جو رحمتِ حق ہے"(۱۲)

اس ترجمہ میں اصل متن کے برعکس پہلا مصرعہ، دوسرے جبکہ تیسرا مصرعہ، چوتھے مصرعے سے ہم قافیہ ہے پوری نظم میں اسی تسلسل کو برقرار رکھا گیا ہے۔ نظم میں مزید جہاں، رخشاں، شب، جب، قائم، دائم، مرا اور سرا جیسے قافیوں کے التزام سے نظم کے معنوی و صوری حسن کو برقرار رکھا ہے۔

ترجمہ کرنا آسان نہیں ہے اس کے کچھ فنی لوازمات بھی ہوتے ہیں کچھ اصولوں کے تحت ترجمہ کیا جاتا ہے۔اس حوالے سے "داستان اندھے لڑکے کی" کی اگر بات کی جائے تو قلق میر ٹھی نے اس نظم میں پابند ترجمہ کا انداز اختیار کیا ہے۔پابند ترجمہ کے بارے میں جلال انجم لکھتے ہیں:

"اس میں شاعر اصل نظم کا ایک شعر پابند لیتا ہے اور اس کا ہو بہو ترجمہ کر ڈالتا ہے اس لئے پابندی کی نسبت سے اس کو پابند ترجمہ کہتے ہیں۔"(۱۳)

یوں کولے سبر (Colley Cibber) کی نظم "The Blind Boy" کا اردو ترجمہ مکمل طور پر پابند ترجمہ کی ذیل میں آتا ہے۔مترجم قلق میر ٹھی نے ہو بہو ترجمہ کرتے ہوئے اصل متن کو اپنی زبان میں کچھ اس انداز میں منتقل کیا ہے کہ ترجمہ پر تخلیق کا گماں ہوتا ہے اور پڑھنے میں بالکل بھی یکسانیت کا شکار نظر نہیں آتا بلکہ قاری اس سے بھر پور لطف اندوز بھی ہوتا ہے۔اس طرح اس نظم کے ترجمہ کے ذریعے قلق کی بطور مترجم صلاحیتوں کا بھی واضح ادراک ہو جاتا ہے کہ انھیں اپنی زبان کے ساتھ ساتھ انگریزی زبان پر کافی حد تک عبور حاصل ہے۔مرزا حامد بیگ مترجم کے اس وصف کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"مترجم کے بارے میں آخری بات یہ ہے کہ اسے اس زبان پر مہارت ہونی چاہیے جس سے وہ ترجمہ کر رہا ہے اور خود اپنی زبان پر بھی۔"(۱۴)

قلق میر ٹھی نے "داستان اندھے لڑکے کی" میں اصل نظم کے معنی و مفہوم کو پوری دیانتداری اور خوبصورتی کے ساتھ اُردو زبان میں منتقل کیا ہے۔ان کے اس ترجمے کا ہر مصرع اصل نظم "The Blind Boy" کا عکس محسوس ہوتا ہے۔یوں قلق ایک کامیاب مترجم کے طور پر ابھر کر سامنے آتے ہیں۔ذیل میں ترجمہ کے ضمن میں معنی و مفہوم کی درست ترسیل کے حوالے سے دونوں نظموں کے دو دو مصرعوں کا تقابل ہے:۔

"My Day or night myself I make
Whene'r I Sleep or play"
(۱۵)

ترجمہ:

"میں بنا لوں ہوں اپنے روز و شب
جب میں سوؤں ہوں یا کہ کھیلوں جب"(۱۶)

ان مصرعوں سے واضح ہو جاتا ہے کہ بطور مترجم قلق میر ٹھی نے اصل نظم کی معنویت کو جہاں بر قرار رکھا ہے وہیں اپنے اسلوب بیان سے ترجمہ میں تخلیق کی خوبی پیدا کی ہے۔قلق نے ترجمہ کرتے ہوئے اس بات کو پیش نظر رکھا ہے کہ ترجمہ آسان الفاظ میں ہو تا کہ قاری نظم سے بھر پور لطف اٹھا سکے اور تسلسل بر قرار رہے۔ترجمہ کا مقصد بھی تو یہی ہوتا ہے کہ دوسری زبان سے ناواقف قاری اس ادبی تحریر سے ترجمہ کے ذریعے اصل جیسا لطف حاصل کر سکے۔اگرچہ یہ نظم دیگر انگریزی نظموں کی نسبت کافی آسان ہے۔اس کے الفاظ جانے پہچانے ہیں پھر بھی قلق میر ٹھی کا یہ ترجمہ اردو منظوم تراجم کی روایت میں ایک اہم اور خوبصورت اضافہ ہے۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 5 No.4 2021

حوالہ جات:

(۱) امداد صابری، مولوی، دلی کی یادگار ہستیاں، دہلی: جمال پریس، ۱۹۷۲ء، ص:۳۹۲

(۲) محمد حسین آزاد، آب حیات، لکھنؤ اترپردیش اردو اکادمی ۱۹۹۸ء، ص:۵۰۷

(۳) کلب علی خاں فائق، مقدمہ سوانحی، مشمولہ: کلیات قلق، مرتب: کلب علی خان فائق، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۶ء، ص:۴۱

(۴) جلال انجم، ڈاکٹر، قلق میرٹھی حیات اور کارنامے، میرٹھ: نامی بکڈپو، ۱۹۹۲ء، ص:۴۸

(۵) حسن الدین احمد، ڈاکٹر، انگریزی شاعری کے منظوم اردو ترجموں کا تحقیقی و تنقیدی مطالعہ، حید آباد: ولا اکیڈمی، ۱۹۸۴ء، ص:۱۲۱

(۶) خطبات گارساں دتاسی، اورنگ آباد دکن: انجمن ترقی اردو، ۱۹۳۵ء، ص:۵۲۸

(۷) حسن الدین احمد، ڈاکٹر، انگریزی شاعری کے منظوم اردو ترجموں کا تحقیقی و تنقیدی مطالعہ، ص:۸۶

(۸) حسن الدین احمد، ساز مغرب (اردو آہنگ میں)، حصہ سوم، حیدرآباد: وِلا اکیڈمی، جنوری ۱۹۷۸ء، ص:۲

(۹) غلام مولیٰ منشی، جواہرِ منظوم، اِلٰہ آباد: گورنمنٹ پریس، ۱۸۶۷ء، ص:۹، ۸

(۱۰) جلال انجم، قلق میرٹھی حیات اور کارنامے، ص:۲۳۱

(۱۱) حسن الدین احمد، ساز مغرب، جلد سوم، ص:۲

(۱۲) غلام مولیٰ منشی، جواہر منظوم، ص:۸

(۱۳) جلال انجم، قلق میرٹھی حیات اور خدمات، ص:۳۲

(۱۴) مرزا حامد بیگ، فن ترجمہ نگاری، اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۲۰۱۹ء، ص:۵۶

(۱۵) حسن الدین احمد، ساز مغرب، جلد سوم، ص:۲

(۱۶) غلام مولیٰ منشی، جواہر منظوم، ص:۸